OPEN ACCESS
Al-Aẕvā الاضواء
ISSN 2415-0444 ;E 1995-7904
Volume 35, Issue, 53, 2020
www.aladwajournal.com

امام طبری کا غریب قرآن کی تفسیر میں اسلوبِ استدلال

(Imām Ṭabarī's method of Inference in interpreting the Obscure Words of the Qur'ān)

Muniba Rizvi *(corresponding author)*
Lecturer, Government College for Women,
Baghbanpura, Lahore, Pakistan

Muhammad Farooq Haidar
Associate Professor, Dept. of Arabic and Islamic Studies,
GCU University Lahore, Pakistan

KEYWORDS

Imām Ṭabarī s method of Inference; Obscure Words of the Qur'ān; Qur'ānic Sciences

Date of Publication:
29-06-2020

ABSTRACT

Obscure Words of the Qur'ān is an important topic among those discussions of the Qur'ānic Sciences which relate to the words of the Qur'ān. The trend of writing books on this subject started in the era of compilation. Moreover, the interpretation of Obscure Words of the Qur'ān became the topic of discussion in the Qur'ānic Commentaries also. In this regard, the best example is of Imām Ṭabarī's Qur'ānic Commentary "Jāmi' al-Bayān 'an Tāwīl 'Āy al-Qur'ān" which is the first compendious exegesis of the Qur'ān and is prestigious to be considered as one of the primary sources for almost all the later commentaries. Along with the other traits of the Qur'ānic Sciences, Obscure Words of the Qur'ān have also been elaborated in comprehensive detail. Imām Ṭabarī, while interpreting the Qur'ānic verses, explained Obscure Words of the Qur'ān in a substantiated manner. He not only cites different interpretations to explain them but also provides the detailed evidences in their support. At some instances, he prefers a specific maxim and to describe the reason of his preference is also his methodology. The different methods adopted by Imām Ṭabarī to interpret Qur'ānic Obscure Words are the eminence and distinction of his exegesis.

تعارف

وہ علوم جن کا تعلق قرآن مجید کے الفاظ سے ہے ان میں غریب قرآن کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ غریب الفاظ کی معرفت ایک مفسر کے لیے لازمی امر ہے جس سے مراد الٰہی تک رسائی ممکن ہوتی ہے۔ مفسر اول رسول اکرم ﷺ نے قرآن مجید کے بعض غریب الفاظ کی تفسیر فرمائی۔ علوم نبویؐ سے فیض یاب ہونے والا پہلا طبقہ صحابہ کرامؓ کا ہے جنہوں نے حضورؐ سے کلام اللہ کے الفاظ اور معانی دونوں حاصل کئے لہذا یہ علم بھی صحابہ کرامؓ کی نور بصیرت کا حصہ بنا۔ بعد ازاں یہ علم تابعین اور تبع تابعین سے ہوتا ہوا تدوینی دور میں با قاعدہ ایک فن کی صورت میں سامنے آیا اور اس موضوع پر گراں قدر تالیفات رقم کی گئیں۔ علم غریب قرآن پر لکھی گئی فنی کتب کے علاوہ یہ علم تفاسیر قرآن میں بھی خصوصی توجہ کا مرکز بنا اور تفاسیر میں غریب الفاظ کی با قاعدہ تشریح و توضیح کا سلسلہ جاری رہا۔ اس سلسلہ کی عمدہ ترین مثال امام ابن جریر طبری کی تفسیر "جامع البیان عن تاویل آي القران" ہے۔

امام ابن جریر طبری کی پیدائش ۲۲۴ ھ کے اواخر میں طبرستان کے پایہ تخت آمل میں ہوئی۔[1] آپ نے سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور نو برس کے تھے جب حدیث کی کتابت شروع کی۔[2] خطیب بغدادی آپ کی تبحر علمی کے بارے رقمطراز ہیں:

"آپ نے اپنی ذات میں اتنے علوم جمع کر لیے کہ آپ کے معاصرین میں آپ کا کوئی شریک نہ تھا آپ قرآن کریم کے حافظ اور اس کے معنی میں بصیرت رکھنے والے تھے۔ سنت رسول کے پیرو کار، اس کے صحیح و سقیم، ناسخ و منسوخ کی پہچان رکھنے والے تھے۔۔۔ ابن جریر متواتر ۴۰ برس کتابیں لکھتے رہے اور یومیہ ۴۰ اوراق کی کتابت کرتے۔"[3]

تفسیر جامع البیان بلاشبہ ماثور تفسیری ادب میں سب سے معتبر درجہ رکھتی ہے۔ تفسیر ھذا کی تعریف و توصیف میں جلال الدین سیوطی نے اپنے احساسات یوں بیان کئے:

"علامہ طبری کی یہ تفسیر تمام تفاسیر میں سب سے بڑی اور عظیم الشان ہے۔ پس اگر کوئی کہے کہ کونسی تفسیر ایسی ہے جو تم تجویز کرتے ہو اور اس پر اعتماد کرنے کا حکم دیتے ہو تو میں کہوں گا وہ مستند تفسیر امام ابو جعفر ابن جریر کی تفسیر ہے جس پر تمام قابل اعتماد علماء کا اتفاق ہے۔ فن تفسیر میں اس جیسی کوئی مرتب شدہ تفسیر نہیں پائی جاتی۔"[4]

یہ تفسیر مابعد کی تمام کتب تفاسیر کا اساسی اور اولین مصدر ہے امام صاحب کے اس تفسیر میں غریب قرآن کے معنیٰ کی توضیح و تفسیر میں اسلوب استدلال کا جائزہ لینے سے قبل غریب قرآن کے مفہوم کا مختصر احاطہ ضروری ہے۔

غریب قرآن

لفظ غریب کا سہ حرفی مادہ "غ ر ب" ہے۔ اہل لغت نے اس لفظ کے متعدد معانی بیان کئے، جیسے غروب ہونا، اجنبی ہونا، پردیسی ہونا وغیرہ۔[5] غریب کے ایک معنی "الغامص من الکلام" بھی بیان کئے گئے ہیں۔ ایسا کلام جس میں غموص یعنی ابہام یا اخفاء پایا جائے۔[6]

پس لفظ غریب جب کسی کلام کے لیے استعمال ہو گا تو اس کے معنی اس مقام پر غیر مانوس، اجنبی، غرابت، مخفی اور غیر واضح کلام کے ہوں گے۔[7]

غریب کا لفظ جب قرآن مجید کے لیے استعمال ہو گا تو ان معانی کا اطلاق نہیں ہو گا بلکہ وہاں اس کی مراد یہ ہو گی کہ کبھی ایک لفظ کسی قوم یا قبیلہ کیلئے اجنبی ہوتا ہے جبکہ دوسرے سب افراد کے لیے اس لفظ کے معنی بالکل صریح ہوتے ہیں اور ان کے روزمرہ میں استعمال ہونے کی وجہ سے ان کے لئے نادر نہیں ہوتے۔ کیونکہ قرآن مجید میں مختلف عربی قبائل کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اس لئے اس فن کی تعریف ان الفاظ میں کی جاسکتی ہے کہ "غریب قرآن سے مراد وہ علم ہے جس میں قرآن مجید کے غیر مانوس اور اجنبی الفاظ کے معانی کی وضاحت کی جائے"۔ غریب قرآن کی تفسیر و توضیح میں امام ابن جریر طبری کا انداز و منہج منفرد اور جداگانہ ہے۔ آپ نے دوران تفسیر نہایت مدلل انداز میں غرائب قرآنیہ کو بیان کیا اور ایسے الفاظ کی توضیح میں جو مختلف معنی سلف سے منقول ہیں ان کو نہ صرف اپنی تفسیر میں بیان کیا بلکہ ان تعبیرات کے حق میں روایات کو دلیل بنایا۔

غریب قرآن کی تفسیر میں امام طبری کا اسلوب نگارش

علامہ طبری نے جامع البیان میں جن متنوع اسالیب و مناہج میں الفاظ کی غرابت کو واضح کیا ہے یہاں ان کو مندرجہ ذیل دو نکات میں واضح کیا جائے گا۔

الف۔ اسلوب استدلال کے مناہج　　　ب۔ اسلوب استدلال کے نظائر

الف۔ اسلوب استدلال کے مناہج

(الف) علامہ ابن جریر غریب الفاظ کی شرح میں سلف صالحین سے مختلف فیہ تاویلات بیان کرنے کے بعد اکثر و بیشتر ان میں سے کسی ایک کو راجح قرار دیتے ہیں۔

(ب) امام صاحب کا غریب الفاظ کے معنی کی توضیح میں ایک منہج یہ ہے کہ آپ لفظ کے مرادی معنی کی وضاحت میں اشعار عرب کو دلیل بناتے ہیں۔ مثلاً "انداداً" کے معنی میں حسان بن ثابتؓ کا شعر [8] اور "الساھرۃ" کی تاویل میں بطور استشھاد امیہ بن صلت کا شعر ذکر کیا۔[9]

(ج) بعض مقامات پر امام صاحب ایک قول کی روایات کو بیان کرتے ہوئے کسی دوسرے قول کی روایات کو بھی اس کے درمیان میں شامل کر دیتے ہیں مثلا "الشجرۃ" کی تاویل میں جہاں اس کے معنی "سنبل کا درخت" مراد لئے گئے ہیں، اس پر دلیل پیش کرنے کے دوران ایک روایت درمیان میں شامل کی ہے جس کی تعبیر شجرہ سے مراد گندم ہے۔[10]

(د) غریب الفاظ کے معنی کی توضیح وتفسیر میں روایات سے استدلال کا اسلوب اگرچہ غالب رجحان ہے لیکن بعض مقامات پر امام صاحب معنی کی توضیح میں دیگر قرآنی آیات سے استشہاد پیش کرتے ہیں۔

(ھ) مفسر موصوف بعض اوقات لفظ کی مراد کو تفسیر کے آغاز ہی میں واضح کرنے کے بعد اسکے حق میں تفصیلی دلائل بیان کرتے ہیں۔

(و) اسلوب کی ایک نوعیت غریب الفاظ کے مرادی معانی میں متعدد تاویلات کو نقل کرنے کے بعد ہر تاویل کے دلائل میں روایات پیش کرنا ہے۔ کسی جگہ مصداق کی دلیل میں فقط ایک ہی روایت نقل کرنے پر اکتفا کیا اور کبھی متعدد روایات کے ذریعے مذکورہ مصداق کو مؤکد بنایا گیا ہے۔

(ز) علامہ طبری غریب لفظ کی وضاحت میں موجود تمام تر اختلافی اقوال بیان کرنے کے بعد اس پہلو کی نشاندہی کرتے ہیں کہ یہ اختلاف محض تکلف ہے لہذا ایسے مختلف فیہ معانی کو جاننے اور نہ جاننے سے کوئی بنیادی فرق نہیں پڑتا۔[11]

(ح) اپنی ذاتی رائے اور موقف کو بیان کرنے میں امام صاحب نے دو طرح کا اسلوب اختیار کیا ہے۔

۱۔ غریب الفاظ کے معنی کے مصداق میں کبھی اپنا مستنبط شدہ معنی آغاز میں بیان کرنے کے بعد اپنے موقف پر اقوال سلف سے استشہادات پیش کرتے ہیں جو آپ کے بیان کردہ معنی کو مؤکد بناتے ہیں اور آپ کے موقف کی عکاسی کرتے ہیں۔[12]

۲۔ آپ لفظ غریب کے تمام مرادی معانی و مفاہیم اور ان کے بارے دلائل تفصیلاً تحریر کرتے ہیں۔ جہاں تک آپ کے اپنے موقف کا تعلق ہے تو اس کے اظہار کے لئے "والصواب من القول ان يقال" جیسے الفاظ کا انتخاب آپ کا اسلوب ہے۔[13]

درج بالا نکات سے یہ حقیقت آشکارہ ہوتی ہے کہ غریب الفاظ کی تفسیر و تعبیر میں امام طبری نے منفرد انداز اختیار کیا۔

ب۔ اسلوب استدلال کے نظائر

امام طبری نے غریب الفاظ کی تفسیر میں جو اسالیب اختیار کیے اور ہر ایک لفظ کی تفصیل میں جن دلائل کا ذکر کیا، یہاں اس کے چند شواہد ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔

(الف) ((أَنْدَادًا))[14]

فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا ۔[15]

ترجمہ: پس نہ ٹھہراؤ اللہ کے لیے اور شریک۔

ابن جریر آیت میں موجود غریب لفظ "أَنْدَادًا" کے بارے رقمطراز ہیں:

"انداد کا لفظ ند کی جمع ہے اور الند کے معنی ہیں عدل اور مثل یعنی برابر ہونا۔"[16]

اس معنی کے استشہاد میں آپ نے حضرت حسانؓ بن ثابت کا یہ شعر درج کیا ہے:

"أ تهجوه ولست له ندٌّ
فشركما لخير كما الفداء "[17]

ترجمہ: " کیا تم اس کی ہجو بیان کرتے ہو جس کے مثل کوئی نہیں بس تم میں سے شر والا خیر والے پر جیسے فدا ہو جائے"۔

امام طبری فرماتے ہیں: " لست له ندٌّ مراد یہ ہے کہ اس کا کوئی مثل اور ہم پلہ نہیں۔ تمام چیزوں کی نظیر اور مثال ہے لیکن اس (ذات پاک) کی کوئی نظیر نہیں۔"[18]

امام صاحب نے "أَنْدَادًا" کے معنیٰ میں اپنے مؤقف کو جن روایات کے ذریعے مدلل بنایا وہ درج ذیل ہیں:

- بقول قتادہ اندادا کا معنی عدل یعنی مساوی یا ہم رتبہ ہے۔[19]
- مجاہد سے مروی ہے کہ الانداد کا مطلب ہم رتبہ یا مساوی ہونا ہیں۔[20]
- امام ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ، مرۃ، حضرت ابن مسعودؓ و دیگر اصحاب النبی ﷺ سے "**فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا**" کے معنی میں بیان فرمایا ہے وہ فرماتے ہیں، ان مردوں کو اللہ کا ہم رتبہ نہ بناؤ، جن کی تم اللہ کی نافرمانی میں اطاعت کرتے ہو۔[21]
- ابن زید سے روایت ہے کہ الانداد وہ معبود ہیں جن کو انہوں نے اللہ کے ساتھ شریک کیا ہے اور جنہیں وہ اللہ کے ہم رتبہ اور مساوی بتاتے ہیں۔[22]
- جناب ابن عباسؓ کا فرمان ہے "**فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا**" سے مراد اشباهاً (یعنی اسکے مشابہ) ہے۔[23]
- عکرمہ سے مروی ہے کہ "**فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا**" یعنی نہ ٹھہراؤ اللہ کے ساتھ اور شریک، فرمایا" مثلاً یوں نہ کہا جائے کہ اگر ہمارا کتا نہ ہوتا تو چور ہمارے گھروں میں داخل ہو جاتا"۔[24]

مذکورہ بالا بیان کردہ تمام روایات سے "انداداً" کے لفظ سے مساوی، برابری، ہم رتبہ اور ہم پلہ ہونے کے معانی مستفاد ہوتے ہیں اور اس کی مزید تشریح مفسر کے اس قول سے ہوتی ہے:

" پس اللہ تعالیٰ نے انھیں اس سے منع کیا ہے کہ اس (اللہ) کے ساتھ کسی کو شریک بنایا جائے اور اس کے علاوہ کسی غیر کی عبادت کی جائے یا اس کی اطاعت میں کسی کو اس کے مساوی درجہ دیا جائے۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس طرح تمھاری تخلیق میں، تمھیں رزق عطا کرنے میں، میری ملکیت میں اور میری طرف سے عطا کردہ نعمتوں میں میرا کوئی شریک نہیں پس اسی طرح اطاعت بھی فقط میری کی جائے، عبادت خالصتاً میری کی جائے اور میری مخلوق میں سے میرے لیے میرے ہم پلہ شرکاء نہ بنائے جائیں۔ بلاشبہ تم جانتے ہو کہ تم پر تمام نعمتیں میری ہی عطا کردہ ہیں" [25]

الحاصل لفظ انداداً کی غرابت میں جو معانی بیان کیے گئے ہیں ان سب سے یہی مفہوم مستفاد ہوتا ہے کہ اللہ جل سبحانہ یکتا ہے اور اس بات سے بری ہے کہ اس کا کوئی ہمسر بنایا جائے۔

(ب) ((الشجرة))[26]

وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ[27]

ترجمہ: اور نہ قریب جانا اس درخت کے

مذکورہ آیت میں الشجرۃ غریب لفظ ہے۔

مفسر موصوف نے الشجرۃ کے توضیحی معنی پر کلام عرب سے روشنی ڈالی ہے اور اس کے ساتھ قرآن کریم سے بھی اس معنی کی نظیر پیش کی ہے۔ فرماتے ہیں:

والشجر فی کلام العرب : کلّ ما قام علیٰ ساق [28]

"کلام عرب میں شجر سے مراد ہر وہ چیز ہے جو تنے پر کھڑی ہو۔"

قرآن حکیم سے اس بارے میں یوں دلیل پیش کی ہے:

وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ [29]

یعنی "النجم سے مراد وہ نباتات ہیں جو بغیر تنے کے زمین پر پھیل جائیں اور الشجر سے مراد وہ درخت ہے جو تنے پر کھڑا رہے۔"[30]

اس وضاحت کے بعد امام صاحب نے الشجرۃ کے مرادی معنی کے تعیین میں مختلف فیہ تاویلات نقل کیں، فرماتے ہیں:

اختلف اھل التاویل فی عین الشجرۃ التی نھی عن اکل ثمرھا آدم[31]

تاویل اول: الشجرۃ : ھی السنبلۃ[32] شجرہ سے مراد سنبل ہے۔

الشجرۃ کی اس تاویل میں مختلف اسناد سے بارہ روایات بطور دلیل نقل کی گئی ہیں یہاں ان کا تذکرہ درج ذیل ہے:

- بقول حضرت ابن عباسؓ "وہ درخت جس سے حضرت آدمؑ کو منع کیا گیا تھا، سنبل کا درخت تھا"۔[33]
- امام ابن جریر نے ابی مالک، عطیہ عوفی اور قتادہ سے روایات بیان کی ہیں۔ ان تمام اصحاب نے "الشجرۃ" کے معنی "سنبل" کا درخت بیان کیے ہیں جس سے حضرت آدمؑ کو منع کیا گیا تھا۔[34]
- جناب عبد اللہ ابن عباسؓ کا فرمان ہے کہ:" ابی جلد نے ابن عباسؓ کو لکھا اور اس درخت کی بابت سوال کیا جسکو حضرت آدمؑ نے کھایا تھا اور وہ درخت جس کے پاس حضرت آدمؑ نے توبہ کی۔ پس حضرت ابن عباسؓ نے ابی جلد کو جواب بھیجا کہ وہ درخت جس کی بابت تم سوال کرتے ہو جس سے حضرت آدمؑ کو روکا گیا تھا وہ "سنبل" تھا اور جس درخت کے پاس حضرت آدمؑ نے توبہ کی وہ "زیتون" کا درخت تھا"۔[35]

- حضرت ابن عباسؓ کا ایک اور قول : "جس درخت سے حضرت آدمؑ کو روکا گیا تھا وہ "گندم" کا درخت تھا"۔[36]
- آپ سے منقول ایک اور روایت جس میں فرمایا کہ "وہ درخت جس سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ اور ان کی زوجہ کو روکا تھا، وہ سنبل کا درخت تھا"۔[37]
- وھب بن منبہ یمانی کہتے ہیں "جس درخت سے حضرت آدمؑ کو منع کیا گیا وہ گندم کا درخت تھا۔ لیکن جنت کی اس گندم کا دانہ گائے کے گردہ کے برابر اور وہ مکھن سے زیادہ نرم اور شہد سے زیادہ شیریں ہے۔ اہل تورات اسے گندم کہتے ہیں"۔[38]
- یعقوب بن عتبہ نے فرمایا: " الشجرۃ سے مراد وہ درخت ہے جسکے ساتھ ملائکہ کو جنت میں ہمیشگی کی گھٹی دی جاتی تھی"۔[39]
- محارب بن دثار کہتے ہیں "الشجرۃ سے مراد سنبل کا درخت ہے"۔[40]
- بقول حسن "یہ سنبل کا درخت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں تمہاری اولاد کا رزق بنایا ہے"۔ [41]

تاویل ثانی: الشجرۃ :ھی الکرمۃ[42] شجرۃ سے مراد انگور کی بیل ہے۔

اس قول کے استشہاد میں مفسر طبری نے دس روایات درج کی ہیں جنکی تفصیل حسب ذیل ہے:

- علامہ طبری نے حضرات ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ اور دیگر اصحاب النبی ﷺ علاوہ ازیں سدی اور جعدۃ بن ھبیرۃ سے متعدد طرق اور حضرت سعید بن جبیر سے جو روایات نقل کیں ان سب میں "الشجرۃ" کے معنی "انگور کی بیل" بیان کیے گئے ہیں۔[43]
- مغیرہ عن شعبی کی سند سے جعدہ بن ھبیرہ سے مروی ہے کہ وہ درخت جس سے حضرت آدمؑ کو منع کیا گیا وہ "شجرۃ خمر" تھا۔[44]
- محمد بن قیس کے نزدیک الشجرۃ سے مراد انگور ہیں۔[45]

تاویل ثالث: الشجرۃ:ھی التینۃ[46] الشجرۃ سے مراد انجیر ہے۔

- ابن جریج نے بعض اصحاب محمد ﷺ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں الشجرۃ سے مراد انجیر ہے۔[47]

مذکورہ بالا تاویلات اور روایات کے تناظر میں "الشجرۃ" کے مرادی مفاہیم میں جو تعبیرات سامنے آتی ہیں وہ بالترتیب سنبل، گندم، انگور کی بیل، انگور اور انجیر ہیں۔

امام طبری کا مؤقف:

آپ کا کہنا ہے کہ " اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے اس قول میں اپنے بندوں کو خبر دی ہے کہ آدم و حوا علیہما السلام نے اس درخت سے کھایا جس درخت سے ان دونوں کو کھانے سے منع کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کے لیے واضح کر دیا تھا کہ اس درخت سے نہیں کھانا اور اپنے اس قول "وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ " سے ان دونوں کے لیے اشارہ کیا اور اللہ نے قرآن مجید میں اپنے مخاطبین کے لیے ایسی کوئی دلیل بیان نہیں کی کہ وہ کون سا درخت تھا جس سے حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو منع کیا گیا تھا۔ اور نہ ہی اس بارے کوئی نص ہے جس سے اس شجر ممنوعہ کا نام معلوم ہو اور نہ اس پر کوئی دلیل ہے۔ اور اگر اللہ جل شانہ کے علم و ارادہ میں اس (درخت کا نام) کو بتانا شامل ہوتا کہ وہ کون سا درخت ہے جس میں اللہ کی رضا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس (درخت) کے بتانے سے خالی نہ چھوڑتا تاکہ لوگ اس کو جان لینے کے بعد اللہ کی تسبیح یعنی پاکی بیان کرتے اور اللہ کی اطاعت کرتے اس علم کے ذریعے سے جو اللہ نے ان کو دیا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہر اس علم میں اپنا مقصود بتایا جس سے لوگ اس کی رضا حاصل کر سکیں۔ پس اس بارے میں درست وہ ہے جس میں یہ کہا گیا کہ بے شک اللہ جل شانہ نے ذکر کیا ہے کہ کہ حضرت آدم اور حضرت حوا علیہا السلام کو جنت کے تمام اشجار کے سوا عین جس شجر سے کھانے کو منع کیا گیا تھا ان دونوں نے اسی سے کھایا۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کا وصف بیان کیا ہے اور ہمارے پاس ایسا کوئی علم نہیں جس سے معلوم ہو کہ وہ درخت کون سا تھا۔" [48]

امام صاحب نے اس بحث کو ان الفاظ میں سمیٹا ہے:

"تحقیق کہا گیا ہے کہ وہ درخت گندم کا تھا۔ اور کہا گیا ہے وہ انگور کا درخت تھا۔ اور کہا گیا ہے کہ وہ انجیر کا درخت تھا اور درست ہو گا کہ ان میں سے کوئی بھی ایک اس کا مصداق بنایا جائے۔ اور یہ فقط ایک علم ہے اور ایسا علم کہ جو اس کا علم رکھتا ہے یہ اس کے لیے نفع بخش نہیں اور اگر کوئی اس کے بارے میں لاعلم ہے تو اس کی لاعلمی اس کے لیے نقصان کا باعث نہیں"۔ [49]

(ج) ((وَالسَّلْوٰى)) [50]

وَأَنْزَ لْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى [51]

ترجمہ: "اور ہم نے تم پر من اور سلویٰ نازل کیا"۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں موجود الفاظ ''من'' اور ''سلویٰ'' دونوں ہی غریب الفاظ ہیں ذیل میں سلویٰ کے بارے میں بیان کیا جائے گا۔

امام صاحب فرماتے ہیں:

والسلویٰ: اسم طائر یشبه السمانی، واحده و جماعه بلفظ واحد، و کذلک السمانی لفظ جماعها و واحدها سواء۔ وقد قیل :ان واحدة السلویٰ سلواة [52]

''سلویٰ: ایک پرندہ کا نام ہے جو سمانی یعنی بٹیر کی مانند ہے۔ اسکے واحد اور جمع دونوں کے لیے ایک ہی لفظ استعمال ہوتا ہے اسی طرح سمانی (بٹیر) کا لفظ بھی واحد اور جمع کے لیے ایک ہی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سلویٰ کا واحد سلواۃ ہے''۔

یہاں امام صاحب نے دو باتوں کو واضح کیا کہ ''سلویٰ'' جو واحد جمع دونوں کے لیے مستعمل ہے اور سلویٰ کا جو معنی آپ نے بیان کیا سمانی (بٹیر) اسکو بھی واحد اور جمع دونوں میں سمانی (بٹیر) ہی پکارا جاتا ہے۔ تو یہ ایک طرح کی الفاظ اور معنی میں مماثلت بیان فرمائی ہے کہ دونوں کے لیے وضع شدہ لفظ واحد اور جمع دونوں میں یکساں ہے۔

مفسر موصوف نے اپنے بیان کردہ مؤقف کو درج ذیل روایات سے مؤکد بنایا ہے۔ فرماتے ہیں: ذکر من قال ما قلنا فی ذلک[53]

- حضرت ابن مسعودؓ اور دیگر صحابہؓ نے روایت کیا ہے کہ ''سلویٰ سمانی (بٹیر) کی مانند ایک پرندہ ہے''۔ [54]
- سدی کا کہنا ہے کہ ''وہ پرندہ سمانی سے بڑا تھا''۔ [55]
- قتادہ سے مروی ہے کہ ''سلویٰ پرندہ تھا اور جنوبی ہوا اسے ان کے لیے جمع کرتی تھی''۔ [56]
- مجاھد کا بیان ہے کہ ''سلویٰ ایک پرندہ تھا''۔ [57]
- حضرت ابن عباسؓ اور عامر سے منقول ہے کہ ''سلویٰ سے مراد بٹیر ہیں''۔ [58]
- ربیع بن انس کا قول ہے کہ ''ان (بنی اسرائیل) پر سمانی (بٹیر) کی مانند پرندے آتے تھے''۔ [59]
- بقول ابن زید ''سلویٰ سے مراد پرندہ ہے''۔ [60]
- وھب بن منبہ کہتے ہیں ''آپ سے پوچھا گیا کہ سلویٰ کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ کبوتر کی مثل موٹا پرندہ ہے''۔ [61]
- ضحاک کا قول ہے کہ ''بٹیر ہی سلویٰ ہے''۔ [62]

الحاصل سلویٰ وہ طعام جو سمانی یعنی بٹیر یا بٹیر کی مثل پرندہ ہے بطور انعام اسرائیلیوں پر نازل کیا گیا۔ ان روایات میں بظاہر کوئی تعارض نہیں ہے بلکہ یہ مرویات معنی کی وضاحت کر رہی ہیں اور ان سے امام ابن جریر کے بیان کردہ معنی کی تائید و توضیح ہوتی ہے۔

(د) ((**الرُّوحُ**))[63]

يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَٰئِكَةُ صَفًّا[64]

ترجمہ: "جس روز روح الامین اور فرشتے صف باندھے کھڑے ہوں گے"۔

امام طبری نے "الروح" کے مرادی معنی میں سات مختلف فیہ تاویلات نقل کی ہیں اور ان کو روایات سے مدلل بنایا ہے جو بالترتیب درج ذیل ہیں:

تاویل اول: الروح: هو ملک من اعظم الملائكة خلقاً[65] روح سے مراد فرشتہ ہے جو تخلیق میں بڑا ہے۔

اس قول کے دلائل درج ذیل ہیں جو امام صاحب نے جامع البیان میں نقل کیے:

- حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے، کہ "روح چوتھے آسمان میں ایک فرشتہ ہے اور وہ آسمانوں، پہاڑوں اور ملائکہ سے بہت بڑا ہے۔ وہ ہر روز بارہ ہزار مرتبہ تسبیحات کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر تسبیح سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے۔ اور وہ تنہا اور انفرادی صورت میں آئے گا"۔[66]
- حضرت ابن عباسؓ کا فرمان ہے "روح سے مراد وہ فرشتہ ہے جو عام فرشتوں سے تخلیق میں بڑا ہے"۔[67]

تاویل ثانی: **الروح:هو جبريل عليه السلام**[68] الروح سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔

اس قول کے بارے روایات درج ذیل ہیں:

- ضحاک سے مروی ہے کہ "**يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ** سے مراد جبریلؑ ہیں"۔[69]
- سفیان کے طریق سے ضحاک سے مروی ہے کہ "**الرُّوحُ** سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں"۔[70]
- شعبی کا قول ہے "**الرُّوحُ**" سے مراد جبریلؑ ہیں"۔[71]

تاویل ثالث: **الروح: خلق من خلق الله فی صورة بنی آدم**[72] الروح سے مراد اللہ کی مخلوقات میں سے بنی آدم کی صورت پر تخلیق کردہ مخلوق ہے۔

اس مصداق کے دلائل درج ذیل ہیں:

- مجاھد کا قول ہے کہ "**الرُّوحُ** بنی آدم کی طرح مخلوق ہے اور وہ کھاتے پیتے ہیں"۔[73]

- مسلم کی سند سے مجاہد کا ایک اور قول ہے ، کہ "الرُّوحُ ان کے ہاتھ پاؤں اور سر ہیں اور یہ دیکھتے بھی ہیں اور کھاتے بھی ہیں لیکن یہ ملائکہ نہیں ہیں"۔[74]
- ابی صالح کہتے ہیں کہ "الرُّوحُ انسانوں سے مشابہ ہیں لیکن یہ انسان نہیں ہیں"۔[75]
- شعبہ عن سلیمان کی سند سے مجاہد کا قول ہے کہ "الرُّوحُ تخلیق آدم کی مانند مخلوق ہے"۔[76]
- اعمش کا کہنا ہے "الرُّوحُ اللہ کی مخلوق میں سے مخلوق ہے اور اللہ نے ملائکہ میں اس کا اضافہ کیا ہے اور ان کے ہاتھ پاؤں ہیں"۔[77]
- ابی صالح سے روایت ہے کہ "الرُّوحُ انسانوں کی طرح کی مخلوق ہے لیکن انسان نہیں ہے"۔[78]

تاویل رابع: الروح: هم بنی آدم[79] روح سے مراد بنی آدم ہیں۔

اس معنی پر درج ذیل روایات سے استدلال کیا ہے:

- قتادہ سے مروی ہے "الرُّوحُ سے مراد بنو آدم ہیں اور یہ قول حسن ہے"۔[80]
- حسن کا قول ہے کہ "الرُّوحُ سے مراد بنو آدم ہیں"۔[81]

تاویل خامس: الروح:ذلک ارواح بنی آدم[82] روح سے مراد بنی آدم کی ارواح ہیں۔

جناب عبد اللہ ابن عباسؓ کا فرمان دلیل کے طور پر درج ذیل ہے:

آپ "**يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ** " کے بارے فرماتے ہیں کہ " اس سے مراد یہ ہے کہ جس وقت لوگوں کی ارواح فرشتوں کے ساتھ کھڑی ہوں گی اور یہ دو نفخوں کے درمیان ارواح کو جسموں کی طرف لوٹائے جانے سے قبل ہو گا"۔[83]

تاویل سادس: الروح:هو القرآن[84] "روح سے مراد قرآن ہے"۔

اس تاویل کے حق میں ذیل کی روایت سے استدلال کیا گیا:

ابن زید سے روایت ہے کہ "الروح سے مراد قرآن ہے اور پھر انھوں نے یہ آیت **وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْإِيمَٰنُ** تلاوت کی"۔[85]

تاویل سابع: الروح: سماطان[86] روح سے مراد دو صفیں ہیں۔

طبری نے شعبی سے بیان کیا ہے کہ " الروح سے مراد یہ ہے کہ قیامت کے دن رب العالمین کی طرف سے دو صفیں ہوں گی سماط من الروح یعنی ارواح کی صف اور سماط من الملائکه یعنی فرشتوں کی صف"۔[87]

امام طبری کا موقف:

"درست قول وہ ہے جس میں کہا گیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کے ذکر سے اس بات کی خبر دی ہے کہ مخلوق اللہ تبارک و تعالیٰ سے خطاب کا اختیار اور طاقت نہیں رکھتی۔ جس دن روح کھڑی ہو گی اور روح مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے اور جن چیزوں کا تذکرہ کیا گیا ہے ان کو معنی کا مصداق بنایا جانا بھی درست ہے اور بلاشبہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کی حقیقت کیا ہے اور نہیں معلوم کہ یہاں کون سے معنی مراد ہوں گے لیکن اس کو تسلیم کرنا واجب ہے لیکن اس پر کوئی حجت دلالت نہیں کرتی اور اس سے عدم واقفیت مضر نہیں"۔[88]

خلاصہ یہ کہ "الروح" کی غرابت میں سات مرادی معنی منقول ہیں اور ان پر بطور دلیل روایات بھی پیش کی گئی ہیں اس کے ساتھ امام صاحب نے یہ صراحت بھی کر دی کہ ان تمام تعبیرات میں کسی کو بھی اس کا معنی قرار دینا درست ہو گا۔ کیونکہ اصل علم اللہ کے پاس ہے ہمارے لئے فقط اس کو تسلیم کرنا واجب ہے کہ یہ اللہ کی مخلوق ہے۔

(ہ) ((حُشِرَتْ))[89]

وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ [90]

ترجمہ: اور جب وحشی جانور جمع کر دیے جائیں گے۔

امام ابن جریر نے مذکورہ بالا آیت میں "حُشِرَتْ" کے معنی کی تعیین میں تین تاویلات اور ان کی حجت میں روایات نقل کی ہیں۔

اختلف اهل التاويل فى معنى قوله [وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ][91]

تاویل اول: قال بعضهم حُشِرَتْ :ماتت[92] "بعض نے کہا کہ حُشِرَتْ کا معنی موت ہے"۔

ذیل میں بیان کئے گئے آثار اس قول کی دلیل ہیں:

- بقول حضرت ابن عباسؓ [وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ] سے مراد بھائم کا حشر یعنی موت ہے۔ کیونکہ یہ دونوں (جن و انس) قیامت کے روز پورا پورا حق لیں گے۔[93]
- ربیع بن خثیم کا قول ہے: "وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ سے مراد ان پر اللہ کا امر واقع ہوا"۔ سفیان فرماتے ہیں "مجھے میرے والد صاحب نے فرمایا ان سے عکرمہ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا "حشرھا" سے مراد ان کی موت ہے"۔[94]

تاویل ثانی: حشرت : معنی ذلک: و اذا الوحوش اختلطت [95] حشرت کے معنی ہیں: جب وحشی جانور خلط ملط ہوں گے۔

اس تعبیر کی یہ دلیل ہے:

ابی العالیہ کا فرمان ہے کہ " میں نے حضرت ابیؓ بن کعب سے سنا انھوں نے فرمایا [وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ] سے مراد "اختلطت "(یعنی وحشی جانوروں کا آپس میں خلط ملط ہو جانا) ہے"۔[96]

تاویل ثالث: حشرت : بل معنی ذلک : جمعت [97] حشرت: اسکے معنی ہیں جمع کیا جانا

قول قتادہ ہے: "وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ بے شک یہ تمام مخلوقات قیامت کے دن جمع کی جائیں گی اور ان کا فیصلہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا جو وہ چاہے گا"۔[98]

امام طبری کا مؤقف:

واولیٰ الاقوال فی ذلک بالصواب قول من قال: معنی (حشرت): جمعت، فامیتت لان المعروف فی کلام العرب من معنی الحشر: الجمع، و منه قول الله [**و الطیر محشورة**] یعنی مجموعة و قوله [**فحشر فنادیٰ**]۔[99]

"اس بحث میں صحیح ترین قول وہ ہے جس میں "حشرت" کے معنی "جمعت" کیے گئے ہیں۔ فامیت کیونکہ کلام عرب میں حشر کے جو معروف معنی ہیں وہ جمع کے ہیں۔ اسی بناء پر ارشاد باری تعالیٰ والطیر محشورۃ یعنی محشورہ کے معنی مجموعہ اور اللہ کا قول فحشر فنادیٰ"۔

خلاصہ یہ کہ لفظ" حشرت" کی غرابت میں ابن جریر نے تین تاویلات ۱۔ موت ۲۔ جانوروں کا خلط ملط ہونا ۳۔ جمع کیا جانا، بیان کیں اور "جمع کیا جانا" والی تعبیر کو بہترین قول قرار دیا ہے۔

(و) ((عِلِّيِّينَ))[100]

كَلَّآ إِنَّ كِتَٰبَ الْأَبْرَارِ لَفِي عِلِّيِّينَ [101]

ترجمہ: "یہ بات حق ہے کہ نیکوکاروں کا اعمال نامہ علیین میں ہو گا"۔

امام ابن جریر [لَفِي عِلِّيِّينَ] کے بارے فرماتے ہیں۔ اختلف اهل التاويل فی معنی علیین۔[102]

پھر آپ نے پانچ مختلف فیہ تاویلات علیین کے مرادی معنی میں بیان کیں اور ان میں سے ہر تاویل کے بارے علمائے سلف سے روایات نقل کیں۔

تاویل اول: علیین : هی السماء السابعة[103] علیین سے مراد ساتواں آسمان ہے۔

جن لوگوں کا یہ قول ہے ان سے مروی روایات درج ذیل ہیں:

- ھلال بن یساف کہتے ہیں کہ "حضرت ابن عباسؓ نے حضرت کعبؓ سے علیین کے بارے سوال کیا اور میں بھی وہاں موجود تھا۔ پس حضرت **کعب** ؓ نے فرمایا کہ یہ ساتواں آسمان ہے اور اس میں مومنین کی ارواح ہوتی ہیں"۔[104]
- قتادہ کی روایت ہے کہ علیین بلند آسمان میں ہیں۔[105]
- ابو اسامہ کا قول ہے کہ علیین ساتویں آسمان میں ہے۔[106]
- مجاھد سے مروی ہے علیین کے بارے فرمایا اس سے مراد ساتواں آسمان ہے۔[107]
- ضحاک سے بیان کیا گیا ہے علیین آسمان میں اللہ کے پاس ہے۔[108]

تاویل ثانی: العلیون : قائمة العرش الیمنیٰ[109] علیون سے مراد عرش کا دایاں پایہ ہے۔

اس قول کے دلائل:

- حضرت ابیؓ بن کعب نے اس آیت سے متعلق فرمایا کہ علییون عرش کا دایاں پایہ ہے۔[110]
- قتادہ سے مروی ہے کہ علیین سے مراد ساتویں آسمان سے اوپر عرش کے دائیں پائے کے قریب ایک مقام ہے۔[111]
- معمر کی سند سے قتادہ سے مروی ہے کہ علیین سے مراد عرش کا دایاں پایہ ہے۔[112]
- شمر بن عطیہ کا قول ہے کہ "حضرت ابن عباسؓ کعب الاحبار کے پاس آئے اور ان سے اس آیت **إِنَّ كِتَٰبَ الْأَبْرَارِ لَفِي عِلِّيِّينَ** کے بارے دریافت کیا۔ پس حضرت کعب نے فرمایا: جب بندہ مومن کی روح قبض کی جاتی ہے تو اسے بلندیوں پر لے جایا جاتا ہے۔ اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ فرشتے اسے ملتے ہیں اور خوش خبری دیتے ہیں۔ پھر وہ اسے لیکر بلندیوں پر جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ عرش تک پہنچ جاتے ہیں۔ پھر عرش کے پاس سے اس کے لیے (رق) یعنی سفید چمڑہ نکالا جاتا ہے (جو اس کا اعمال نامہ ہے) اور اس پر لکھا جاتا ہے اور اس کا اختتام اس معرفت کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ یوم حساب اس کے لیے نجات ہے اور مقرب فرشتے اس بات کی گواہی دیتے ہیں"۔[113]

تاویل ثالث: بل عنی بالعلیین : الجنة[114] بلکہ علیین جنت ہے۔

- حضرت ابن عباسؓ کا فرمان ہے کہ علیین جنت کے معنی میں ہے۔[115]

تاویل رابع: علیین : عند سدرۃ المنتھی[116] "علیین سدرۃ المنتھی کے پاس ہے"۔

امام ابن جریر نے "اجلح" کی سند سے حضرت ضحاک سے یہ قول بیان کیا کہ "جب کسی مومن کی روح قبض کر کے آسمان دنیا کی طرف بلندی پر لے جائی جاتی ہے تو دوسرے آسمان تک مقربین اس کے ساتھ چلتے ہیں۔ اجلح فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا مقربین کون ہیں؟ حضرت ضحاک نے جواب دیا جو دوسرے آسمان سے زیادہ قریب ہیں۔ پھر ان کے ساتھ تیسرے آسمان کے مقرب فرشتے مل جاتے ہیں پھر چوتھے آسمان کے پھر پانچویں آسمان کے پھر چھٹے آسمان کے پھر ساتویں آسمان کے حتی کہ وہ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ جاتی ہے۔ اجلح فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ضحاک سے پوچھا کہ سدرۃ المنتہیٰ کا یہ نام کیوں رکھا گیا ہے؟ حضرت ضحاک نے فرمایا کیونکہ اللہ کے حکم سے اس کے پاس ہر شے کی انتہا ہو جاتی ہے کوئی شے اس سے تجاوز نہیں کر سکتی۔ پھر وہ مقرب فرشتے کہتے ہیں اے رب! تیرا فلاں بندہ حالانکہ وہ (اللہ تعالیٰ) اس کے بارے میں ان سے زیادہ جانتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس (بندہ) کی طرف یہ مہر شدہ تحریر بھیجتا ہے اور اسے اس دن (آخرت کے دن) کے عذاب سے امان دیتا ہے" اور اسی بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "[كَلَّآ إِنَّ كِتٰبَ الْأَبْرَارِ لَفِي عِلِّيِّينَ (18) وَمَا أَدْرٰ كَ مَا عِلِّيُّونَ (19) كِتٰبٌ مَرْقُومٌ (20) يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُونَ(21)]"[117]

تاویل خامس : علیین : فی السماء عند الله[118] علیین سے مراد آسمان میں اللہ کے پاس

- ترجمان القرآن ابن عباسؓ کا بیان ہے: "إِنَّ كِتٰبَ الْأَبْرَارِ لَفِي عِلِّيِّينَ سے مراد ان کے اعمال نامے ہیں جو آسمان میں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں"۔[119]

علیین کے بارے مذکورہ مصادیق اور ان پر استدلال ذکر کر کے لکھتے ہیں:

و الصواب من القول فی ذلک ان یقال: ان الله تعالی ذکر ہ اخبر ان کتب الابرار فی علیین۔ و العلیون: جمع ،معناہ: شیئ فوق شیئ، و علو فوق علو، و ارتفاع بعد ارتفاع۔[120]

یہاں صحیح بات وہ ہے جو جل ثناؤہ نے ارشاد فرمائی بلاشبہ جنتیوں کے اعمال نامے علیین میں ھوں گے اور علییون اس کی جمع ہے جسکے معنی میں ایک شے سے اوپر دوسری شے اور اعلیٰ سے اعلیٰ اور بلند سے بلند

اسکے بعد فرماتے ہیں:

پس واضح ہے کہ قول باری تعالیٰ [لَفِي عِلِّيِّينَ] کے معنی بلندی اور ارتفاع ہے آسمانوں میں سے ایک آسمان سے اوپر دوسرے آسمان میں اعلیٰ سے اعلیٰ کی جانب اور اس سے ساتویں آسمان کی جانب بلندی مراد لینا جائز

ہو گا اور یہ بھی درست ہے کہ اس سے پایۂ عرش کی طرف بلندی مراد لی جائے اور ایسی کوئی خبر نہیں جس سے کسی ایک معنی کو بعض دوسرے معنی پر قطعی عذر بنایا جائے۔[121]

اور فرماتے ہیں:

والصواب أن يقال في ذلك، كما قال جلّ ثناؤه: إن كتاب أعمال الأبرار لفي ارتفاع إلى حدّ قد علم الله جلّ وعزّ منتهاه، ولا علم عندنا بغايته، غير أن ذلك لا يقصر عن السماء السابعة، لإجماع الحجة من أهل التأويل على ذلك.[122]

اور صحیح یہاں وہ بات ہے جو اللہ جل ثناؤہ نے فرمائی کہ بے شک نیکو کاروں کے اعمال نامے بلندیوں کو اس حد تک ہوں گے جسکی انتہا اللہ جل ثناؤہ ہی کو معلوم ہے۔ ہم اس غایت کا علم نہیں رکھتے اس کے علاوہ یہ ساتویں آسمان سے کم نہیں اہل تاویل کا اسی پر اجماع ہے۔

غرض "علیین" کے معنی پر جو پانچ مصادیق مع دلائل مذکور ہیں وہ بالترتیب درج ذیل ہیں:

1۔علیین سے مراد ساتواں آسمان ہے۔2۔علیین سے مراد عرش کا دایاں پایہ ہے۔3۔ علیین سے مراد جنت ہے۔4۔علیین سے مراد سدرۃ المنتھیٰ کے پاس ایک مقام ہے۔5۔علیین آسمانوں میں اللہ کے پاس ہے۔

ان تمام معانی پر سلف کے اقوال سے دلائل نقل کرنے کے بعد حاصل کلام یہ ہے کہ لفظ غریب علیین وہ اعلیٰ سے اعلیٰ مقام ہے جہاں جنتیوں کے اعمال نامے ہوں گے اور بلاشبہ اللہ جل شانہ کو ہی اس بات کا حقیقی علم ہے۔

(ز) ((شاهدٍو مشهودٍ))[123]

و شاهدٍ و مشهودٍ[124]

قسم ہے حاضر ہونے والے دن کی اور قسم ہے اس کی جسکے پاس وہ حاضر ہوں گے۔

امام طبری فرماتے ہیں:

اختلف اهل التاويل فى معنى ذلك قال بعضهم معنى ذلك[125]

تاویل اول: شاهدٍ : و هو يوم الجمعة، و مشهودٍ؛ و هو يوم عرفة[126] شاهدٍ سے مراد یوم جمعہ اور مشهودٍ سے مراد یوم عرفہ ہے۔

جن لوگوں کا یہ قول ہے ان سے مروی روایات درج ذیل ہیں:

- حضرت ابوھریرۃؓ فرماتے ہیں کہ شاهدٍ سے مراد جمعہ اور مشهودٍ سے مراد یوم عرفہ ہے۔یونس فرماتے ہیں کہ اسی طرح کا قول حسن کا بھی ہے۔[127]
- حضرت علیؓ کا فرمان ہے یہاں یوم جمعہ اور یوم عرفہ مراد ہے۔[128]
- حضرت ابن عباسؓ نے (وشاهدٍ و مشهودٍ) کے بارے فرمایا شاهدٍ یوم جمعہ اور مشهودٍ یوم عرفہ ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ شاهدٍ سے مراد انسان اور مشهودٍ سے مراد قیامت کا دن ہے۔[129]

- سعید کی سند سے قتادہ سے مروی ہے (شاھدٍ ومشھودٍ) سے متعلق کہتے ہیں کہ دنیا کے ایام میں دو دن عظیم ہیں جو ہم سے بیان کیے گئے ہیں بے شک شاھدٍ سے مراد یوم جمعہ اور مشھودٍ سے مراد یوم عرفہ ہے۔[130]
- معمر کی سند سے قتادہ سے مروی ہے کہ شاھدٍ جمعہ کا دن اور مشھودٍ عرفہ کا دن ہے۔[131]
- حضرت علیؓ نے فرمایا "الشاھد یوم جمعہ اور المشھود یوم عرفہ ہے۔"[132]
- بقول ابن زید شاھدٍ جمعہ اور مشھودٍ کی مراد یوم عرفہ ہے۔"[133]
- رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "شاھدٍ جمعہ کے یوم اور مشھودٍ عرفہ کے یوم کو کہتے ہیں۔[134]
- آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا بے شک ایام کا سردار یوم جمعہ اور یہی شاھدٍ ہے اور مشھودٍ سے مراد یوم عرفہ ہے۔[135]
- ارشاد نبویؐ ہے: مشھودٍ کی مراد یوم عرفہ ہے جبکہ شاھدٍ یوم جمعہ ہے اور اس دن میں ایک لمحہ وہ ہے جسمیں بندہ مومن اللہ تعالیٰ سے جو خیر اور بھلائی مانگتا ہے اللہ تعالیٰ یقیناً اس کے حق میں قبول فرمالیتا ہے اور جس سے پناہ مانگتا ہے اللہ ضرور اسے پناہ میں رکھتا ہے۔[136]
- آپؐ کا فرمان مبارک ہے "بے شک شاھدٍ سے مراد جمعہ کا دن ہے اور مشھودٍ سے مراد یوم عرفہ ہے۔ پس جمعہ کا دن ہمارے لیے بھلائی کا دن ہے"۔[137]
- بقول سعید بن المسیب ہے جمعہ کا یوم سید الایام ہے اور یہی شاھدٍ ہے۔[138]

تاویل ثانی: الشاھدٍ : محمدﷺ و المشھودٍ : یوم القیامۃ[139] شاھدٍ سے مراد محمد ﷺ اور مشھودٍ سے مراد یوم قیامت ہے۔

اس قول کے دلائل درج ذیل ہیں:

- حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ "الشاھدٍ سے مراد محمد ﷺ اور مشھودٍ سے مراد یوم قیامت ہے" اور پھر اس آیت کو تلاوت فرمایا: [ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُودٌ]۔[140]
- شباک کہتے ہیں "حضرت حسن بن علیؓ سے کسی شخص نے شاھدٍ اور مشھودٍ کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے فرمایا کیا تم نے مجھ سے پہلے بھی یہ سوال کسی سے کیا ہے؟ اس نے جواب دیا ہاں میں نے حضرت ابن عمرؓ اور ابن زبیرؓ سے یہ سوال کیا اور ان دونوں نے فرمایا کہ اس دن سے مراد یوم نحر اور یوم جمعہ ہے تو حسن بن علیؓ نے فرمایا نہیں بلکہ شاھدٍ سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں اور یہ آیت تلاوت فرمائی **فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلَى هٰؤُلَاءِ شَهِيدًا**"[141]۔ پھر فرمایا اور مشھودٍ سے مراد قیامت کا دن ہے اور یہ آیت تلاوت کی[142] **[ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُودٌ]**۔"[143]

- حضرت حسنؓ کا ارشاد ہے" شاھدٍ سے مراد محمد ﷺ اور مشھودٍ سے مراد قیامت کا دن ہے"۔[144]
- حضرت سعید بن مسیب سے روایت ہے فرماتے ہیں مشھودٍ سے قیامت کا دن مراد ہے۔[145]

تاویل ثالث: الشاھدِ: الانسان، و المشھودِ : یوم القیامة[146]

شاھدٍ سے انسان اور مشھودٍ سے مراد یوم قیامت ہے۔

امام طبری نے اس قول کے اثبات میں درج ذیل اخبار ذکر کئے:

- مجاھد سے مروی ہے کہ شاھدٍ سے مراد انسان اور مشھودٍ سے مراد یوم قیامت ہے۔[147]
- ابن ابی نجیح کی سند سے مجاھد سے مروی ہے شاھدٍ سے مراد انسان اور مشھودٍ سے مراد یوم القیامۃ ہے۔[148]
- ابن ابی نجیح کا بیان ہے شاھدٍ سے انسان اور مشھودٍ سے قیامت کا روز مراد ہے۔[149]
- قول عکرمہ: شاھدٍ کا معنی ابن آدم اور مشھودٍ یوم قیامت ہے۔[150]
- ضحاک کہتے ہیں شاھدٍ سے مراد انسان اور مشھودٍ سے مراد قیامت کا دن ہے ۔[151]

تاویل رابع: **الشاھدِ: محمد ﷺ، و المشھودِ : یوم الجمعة**[152] شاھدٍ سے جناب محمد ﷺ اور مشھودٍ یوم الجمعہ ہے۔

- عکرمہ کا بیان ہے "شاھدٍ کے مصداق جناب محمدؐ اور مشھودٍ سے الجمعہ کا روز مراد ہے۔ جیسے ارشاد ہے: "فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلَى هٰؤُلَآءِ شَهِيدًا"۔[153]

تاویل خامس: **الشاھدِ : الله ، والمشھودِ : یوم القیامة**[154] شاھدٍ کا مدلول الله جل شانہ اور مشھودٍ کا روز قیامت ہے۔

مذکورہ تعبیر کی دلیل قول ابن عباسؓ ہے:

- یہاں شاھدٍ سے الله تعالیٰ اور مشھودٍ سے یوم القیٰمہ مراد ہے۔[155]

تاویل سادس : **الشاھدِ : یوم الاضحیٰ، و المشھودِ : یوم الجمعة**[156] شاھدٍ سے مراد یوم الاضحی ہے اور مشھودٍ سے مراد جمعہ کا دن ہے۔

اس قول کے بارے روایت درج ذیل ہے:

- مغیرہ کی سند سے شباک سے مروی ہے کہ "کسی سائل نے حضرت حسن بن علیؓ سے (شاھدٍ و مشھودٍ) سے متعلق پوچھا۔ جواباً آپؓ نے پوچھا کیا تم نے مجھ سے پہلے بھی یہ سوال کسی سے کیا؟ سائل نے ہاں میں جواب دیا اور کہا کہ میں نے یہ سوال حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن زبیرؓ سے کیا پس ان دونوں نے فرمایا کہ اس سے مراد قربانی کا دن اور یوم جمعہ ہے" ۔[157]

تاویل سابع: **الشاھدِ : یوم عرفة، و المشھودِ : یوم القیامة**[158] شاھدٍ سے یوم العرفہ اور مشھودٍ سے یوم القیامۃ مراد ہے۔

- جناب ابن عباسؓ کے نزدیک شاھدِ یوم عرفہ ہے اور مشھودِ قیامت کا روز ہے۔[159]

تاویل ثامن: المشھودِ : یوم الجمعة، و روا ذلک عن رسول الله ﷺ[160] مشھودِ جمعہ کا روز ہے اور یہ فرمان رسولؐ ہے۔

- آپؐ کا ارشاد گرامی ہے مجھ پر جمعہ کے دن بکثرت درود پڑھو کیونکہ یہ یوم مشھودِ ہے فرشتے اس دن حاضر ہوتے ہیں۔[161]

موقف امام طبری:

والصواب من القول في ذلك عندنا: أن يقال: إن الله أقسم بشاهد شهد، ومشهود شهد، ولم يخبرنا مع إقسامه بذلك أيّ شاهد وأيّ مشهود أراد، وكلّ الذي ذكرنا أن العلماء قالوا: هو المعنيّ مما يستحقّ أن يُقال له: شَاهِدٍ وَمَشْهُودٍ۔[162]

آپ نے شاھدِ اور مشھودِ کے مرادی معنی میں آٹھ مختلف فیہ تاویلات نقل کیں اور ہر تاویل کی دلیل میں روایات نقل کیں جو ان کے مرادی معنی پر دال ہیں۔ آٹھ تعبیرات درج ذیل ہیں:

۱۔	شاھدِ سے مراد: یوم جمعہ	مشھودِ سے مراد: یوم عرفہ
۲۔	شاھدِ سے مراد: محمد ﷺ	مشھودِ سے مراد: قیامت کا دن
۳۔	شاھدِ سے مراد: انسان	مشھودِ سے مراد: قیامت کا دن
۴۔	شاھدِ سے مراد: محمد ﷺ	مشھودِ سے مراد: یوم جمعہ
۵۔	شاھدِ سے مراد: اللہ تعالیٰ	مشھودِ سے مراد: یوم قیامت
۶۔	شاھدِ سے مراد: قربانی کا دن	مشھودِ سے مراد: یوم جمعہ
۷۔	شاھدِ سے مراد: یوم عرفہ	مشھودِ سے مراد: یوم قیامت
۸۔	شاھدِ سے مراد: یوم عرفہ	مشھودِ سے مراد: یوم جمعہ

مفسر طبری نے اولاً ان مصادیق کو مدلل انداز میں پیش کیا بعد ازاں اپنا نقطۂ نظر یوں بیان کیا کہ شاھدِ اور مشھودِ کی جو بھی تاویلات مذکور ہیں ان میں سے ہر ایک کو ان الفاظ کا مدلول بنایا جا سکتا ہے۔

نتائج بحث

- تفسیری ادب میں غریب قرآن پر شرح و بسط سے روشنی ڈالنے والی اولین تفسیر جامع البیان عن تاویل آي القرآن ہے جو تمام منقولی و معقولی تفاسیر کا اساسی مصدر ہے۔

- جامع البیان کے مفسر امام طبری نے اپنی اس کتاب میں غریب قرآن پر مفصل کلام کیا ہے۔ اگرچہ آپ نے اس فن کے اصولی مباحث بیان نہیں کیے لیکن قرآن حکیم کے متفرق مقامات پر وارد شدہ متعدد غریب الفاظ کی غرابت کی توضیح میں متنوع اسالیب اختیار کیے ہیں۔
- امام طبری نے غریب الفاظ کی تبیین و توضیح میں سلف سے مروی تقریباً تمام ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔
- جامع البیان میں غرائب قرآنیہ کی تاویل میں وارد روایات سلف کو بکثرت بیان کرنا تفسیر ھذا کا نمایاں ترین اسلوب ہے۔
- ابن جریر کے منہج استدلال کی اہم صفت غریب قرآن کی تفسیر میں مروی مختلف فیہ اقوال و آثار میں ترجیح و تطبیق کا اسلوب ہے۔
- آپ نے غریب الفاظ کے معانی کی وضاحت میں فقط متخالف تاویلات بیان نہیں کیں بلکہ ان سے مستنبط معانی پر روایات سلف سے دلائل پیش کیے اور اکثر مقامات پر ان تاویلات سے نتیجہ اخذ کیا کہ یہ تمام تعبیرات اس بات کی حقدار ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی معنی کا مصداق بنایا جا سکتا ہے۔
- غرائب کی معنوی وضاحت میں یہ اسلوب بھی نمایاں نظر آتا ہے کہ آپ ایک لفظ کی مختلف تاویلات کی روشنی میں ایک مجموعی معنی کا استخراج کرتے ہیں گویا کہ تمام تاویلات یکساں نہ ہونے کے باوجود معنی و مقصود میں ایک ہیں۔
- امام طبری نے اپنی اس مبسوط تفسیر میں الفاظ غریبہ کی تاویل میں کلام عرب سے استشھاد کا خوب اہتمام کیا۔ آپ بعض اوقات ان معانی کو ترجیح دیتے ہیں جو کلام عرب میں معروف ہوں۔
- مفسر موصوف کا غرائب کی توضیح و تشریح میں ایک منہج یہ ہے کہ معانی کی وضاحت میں اشعار عرب سے استشھاد پیش کرتے ہیں اور پھر ان معانی کو روایاتِ سلف سے مؤکد بناتے ہیں۔

حواشی و حوالہ جات

1 خطیب بغدادی، ابو بکر احمد بن ثابت، تاریخ بغداد، تحقیق الدکتور بشار عواد معروف، بیروت، دار الغرب الاسلامی، الطبعۃ الاولیٰ، 2002م، 548/2 ؛ یاقوت حموی، شھاب الدین، ابو عبداللہ یعقوب بن عبداللہ، معجم الادباء ارشاد الاریب الی معرفۃ الادیب، محقق، احسان عباس، بیروت، دار الغرب الاسلامی، الطبعۃ الاولیٰ، 1993م، 2441/6؛ ابن صلاح، عثمان بن عبد الرحمٰن، ابو عمرو، تقی الدین، طبقات الفقہاء الشافعیہ، تحقیق، محی الدین علی نجیب، بیروت، دار البشائر الاسلامیہ، الطبعۃ الاولیٰ، 1992م، 111/1

2 محمد سالم محیسن، معجم حفاظ القرآن عبر التاریخ، بیروت، دار الجلیل، الطبعۃ الاولیٰ، 1992م، 143/1
3 ابن جوزی، المنتظم فی تاریخ الامم والملوک، تحقیق، محمد عبد القادر عطاء، مصطفیٰ عبد القادر عطاء، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ، 1412ھ، 216/13؛ سبکی، تاج الدین، عبدالوھاب بن تقی الدین، طبقات الشافعیہ الکبریٰ، محقق د۔ محمود محمد الطناجی، د۔الفتاح محمد الحلو، ھجر للطباعۃ والنشر والتوزیع، الطبعۃ الثانیۃ 1413ھ، 122/3
4 سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، تحقیق وتخریج فواز احمد زمرلی، دار الکتب العربی، بیروت 2007م، ص 885
5 فیروز آبادی، مجد الدین، القاموس المحیط، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، 2005م، ص 120/1؛ ابن منظور افریقی، لسان العرب، دار صادر بیروت، 1414ھ، 638/1
6 ایضاً، 638/1
7 جرجانی، علی بن محمد بن علی، کتاب التعریفات، تحقیق ابراہیم الابیاری، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 2002م، ص 132؛ ابراہیم مصطفیٰ احمد الزیات، المعجم الوسیط، حامد عبد القادر، محمد النجار، دار الدعوۃ، س ن، 647/2
8 طبری، ابو جعفر محمد بن جریر، جامع البیان عن تاویل آی القرآن، تحقیق اسلام منصور عبد الحمید، دار الحدیث، القاہرہ، الطبع ۱۴۳۱ھ۔2010م، 276/1
9 جامع البیان، 11/ 113
10 تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: جامع البیان، 395/1
11 تفصیل آئندہ الشجرۃ کی مثال میں آئے گی۔
12 وضاحت "الساھرۃ" اور "صبغۃ اللہ"۔ جامع البیان، 817/1
13 اس کی مثال "الروح" کی توضیح میں ملاحظہ کریں۔
14 ابن جوزی، تذکرۃ الاریب فی تفسیر الغریب، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 2004م، ص 15
15 طبری، جامع البیان، 275/1
16 جامع البیان، 275/1
17 ایضاً، 275/1
18 ایضاً، 275/1
19 ایضاً، 275/1
20 ایضاً، 275/1
21 ایضاً، 275/1
22 ایضاً، 275/1
23 ایضاً، 275/1
24 ایضاً، 275/1
25 ایضاً، 275/1
26 تذکرۃ الاریب، ص 16
27 البقرۃ 2: 35؛ جامع البیان، 364/1

28 جامع البیان، 364/1
29 الرحمٰن 55: 6
30 ایضاً، 55: 6
31 جامع البیان، 364/1
32 ایضاً، 364/1
33 ایضاً، 364/1
34 ایضاً، 365/1
35 ایضاً، 365/1
36 جامع البیان، 365/1
37 ایضاً، 365/1
38 ایضاً، 365/1
39 ایضاً، 365/1
40 ایضاً، 366/1
41 ایضاً، 366/1
42 ایضاً، 367/1
43 ایضاً، 367/1
44 ایضاً، 366/1
45 ایضاً، 367/1
46 ایضاً، 367/1
47 ایضاً، 367/1
48 ایضاً، 367/1
49 ایضاً، 367/1
50 مکی بن ابی طالب، تفسیر المشکل من غریب القرآن، ریاض، مکتبہ المعارف 1406ھ، ص 28، تذکرۃ الاریب، ص 17
51 البقرۃ 2: 57؛ جامع البیان، 450/1
52 جامع البیان، 450/1
53 ایضاً، 450/1
54 ایضاً، 450/1
55 ایضاً، 450/1
56 ایضاً، 450/1
57 ایضاً، 451/1
58 ایضاً، 451/1
59 ایضاً، 451/1
60 ایضا، 451/1
61 ایضا، 451/1
62 ایضا، 451/1

63 تذکرۃ الاریب، ص 435
64 النبا 78: 38؛ جامع البیان، 340/11
65 جامع البیان، 340/11
66 ایضا، 340/11
67 ایضا، 340/11
68 ایضا، 340/11
69 ایضا، 340/11
70 ایضا، 340/11
71 ایضا، 340/11
72 جامع البیان، 341/11
73 جامع البیان، 341/11
74 ایضا، 341/11
75 ایضا، 341/11
76 ایضا، 341/11
77 ایضا، 341/11
78 ایضا، 341/11
79 جامع البیان، 341/11
80 ایضا، 341/11
81 ایضا، 341/11
82 ایضاً، 342/11
83 ایضاً، 342/11
84 ایضاً، 342/11
85 الشعراء 26: 52؛ جامع البیان، 342/11
86 جامع البیان 342/11
87 ایضاً، 342/11
88 ایضاً، 342/11
89 تذکرۃ الاریب، ص 440
90 التکویر 81: 5، جامع البیان، 399/11
91 جامع البیان، 399/11
92 ایضاً، 399/11
93 ایضاً، 400/11
94 ایضاً، 399/11
95 ایضاً، 399/11
96 ایضاً، 399/11
97 ایضاً، 399/11

98 ایضاً، 399/11
99 ایضاً، 399/11
100 تذکرۃ الاریب، ص443
101 المطففین83: 18؛ جامع البیان، 444/11
102 جامع البیان، 444/11
103 ایضاً، 444/11
104 ایضاً، 444/11
105 ایضاً، 444/11
106 ایضاً، 444/11
107 ایضاً، 444/11
108 ایضاً، 444/11
109 جامع البیان، 445/11
110 ایضاً، 445/11
111 ایضاً، 445/11
112 ایضاً، 445/11
113 ایضاً، 445/11
114 ایضاً، 445/11
115 ایضاً، 445/11
116 ایضاً، 445/11
117 جامع البیان، 446/11
118 ایضاً، 446/11
119 ایضاً، 446/11
120 ایضاً، 446/11
121 جامع البیان، 447/11
122 ایضاً، 447/11
123 تذکرۃ الاریب، ص446
124 البروج85 : 3؛ جامع البیان، 479/11
125 جامع البیان، 481/11
126 ایضاً، 481/11
127 ایضاً، 481/11
128 ایضاً، 481/11
129 ایضاً، 481/11
130 جامع البیان، 482/11
131 ایضاً، 482/11
132 ایضاً، 482/11

133 ایضاً، 482/11
134 ایضاً، 482/11
135 ایضاً، 482/11
136 ایضاً، 482/11
137 جامع البیان، 483/11
138 ایضاً، 483/11
139 ایضاً، 483/11
140 ایضاً، 483/11
141 النساء 4 : 41
142 جامع البیان، 483/11
143 ھود 11 : 103؛ جامع البیان، 483/11
144 جامع البیان، 483/11
145 ایضاً، 483/11
146 ایضاً، 483/11
147 ایضاً، 483/11
148 جامع البیان، 484/11
149 ایضاً، 484/11
150 ایضاً، 484/11
151 ایضاً، 484/11
152 ایضاً، 484/11
153 ایضاً، 484/11
154 ایضاً، 484/11
155 ایضاً، 484/11
156 ایضاً، 484/11
157 ایضاً، 484/11
158 ایضاً، 484/11
159 جامع البیان، 485/11
160 ایضاً، 485/11
161 ایضاً، 485/11
162 ایضاً، 485/11